ڈاکٹر محمد اقبال ناخدا تاریخ عالم ہزاروں ایسے جانبازوں کے کارنامے سے بھری پڑی ہے جن کا تصور قدم قدم پر دعوت فکر و عمل پیش کرتا ہے مگر ایسے شناسا قوم و ملت کم دیکھے گئے ہیں جنہوں نے دوبتی کشتی کی ناخدائی کی ہو اور ایک قوم کے بھٹکے ہوئے کارواں کو منزل تک پہنچایا ہو شاعر مشرق حکیم الامت محمد اقبال کا شمار ایسی ہی تاریخ ساز اور عہد آفریں ہستیوں میں ہوتا ہے۔ اقبال کی شخصیت ایک ضیاع اور ایک فنکار سے بہت بلند ہے ان کی شاعری میں فکر و فلسفہ، عہد حاصر کے ذہنی و سماجی حالات خودی، عشق اور عمل پیغام اور نصیحت سب ہی کچھ ہے۔

اقبال نے بھی عام شعراء کے سے انداز میں اپنی شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا ابتداء میں اپنے زمانے کے مشہور استاد سخن مرزا داغ دہلوی سے اصلاح لی لیکن کچھ عرصے بعد انہوں نے خود ہی اپنی شاعری کا رُخ متعین کر لیا اور اپنے افکار عالیہ کی نئی دنیا آباد کی لاہور کے ادبی ماحول نے ان کی فنی صلاحیتوں کو خلا بخشی اور دوران تعلیم ہی وہ مشاعروں میں حصہ لیتے گئے۔ اسی نو مشقی کے زمانے میں انہوں نے ایک مشاعرے میں جب غزل کے چند اشعار پڑھے تو ان کی شہرت انجمن حمایت الاسلام کے سالانہ جلسوں سے ہوتی ہوئی دور دور تک پھیل گئی اور بعد میں "نالہ یتیم" نے تو ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیے۔

"موتی سمجھ کر شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تے مہرے عرق انفعال"

اگرچہ اقبال غزل میں عشق و محبت کے روایتی موضوع سے گریز کرتے ہیں لیکن اپنے دور کی ابتدائی شاعری میں جو زیادہ تر غزلوں پر مشتمل ہے اور "بانگ درا" میں شامل نہ ہونے کی وجہ

سے کامیاب ہے قدرے جزباتی شاعری سے اپنا دامن نہ بچا سکے چنانچی انہوں نے جہاں داغ کا اثر قبول کیا ہے اسکا رنگ نمایاں ہے۔

"نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی
مگر وعدہ کرتی ہوئے عار کیا تھی
بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا
تیر آنکھ مستی میں ہوشیار کیا تھی"

لیکن رفتہ رفتہ انہیں احساس ہونے لگا کہ شاعری ایک زبردست آلہ او عر عروج کا بہترین ذریعہ ہے لہذا اس سے ایسا کام لیا جائے جو شکستہ قوم کی از سرِ نو تعمیر میں مدد دے چنانچہ انہوں نے قدیم جزباتی شاعری کو چھوڑ کر فلسفہ اور زندگی کے حقائق سے عوام کو روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا اقبال کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

نمبر 1۔ پہلا دور وطن سے محبت کا دور ہے دوسرے دور میں وہ شاعری جو قیام یورپ کے دوران کی گئی اس وقت ان کے خیالات میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اسلامی ادب اور تاریخ کے مطالعے نے بھی اقبال ے جزبہ دینی کو اُبھار چنانچہ وہ ملت اسلامیہ کی شکستہ خالی اور تباہی نہ دیکھ سکے اور انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو جگانے کی کوشش کی اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر جو جمود طاری ہو چکا تھا اور جس نے ان سے حرکت کرنے کی قوت چھین لی تھی اسے توڑا اور اپنی نظموں کے ذریعہ ان اصلاحی کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جن کی بنیاد پر سر سید، شبلی، اکبر اور حالی جیسے اکابرین ملت ڈال گئے تھے اسلام کی عظمت رفتہ، تعلیم کی ضرورت، وطنیت، تہذیب پر تنقید،

مذہب کی اہمیت بے جا قناعت پسندی کی مخالفت ان کھی اس دور کے کلام کے اہم موضوعات ہیں۔ اکبر نے مذہبی تہذیب کی رو میں بہہ جانے سے قوم کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر زمانے کی رفتار کو بدلنا ان کے لیے ممکن نہ ہوا چنانچہ اقبال جو خود بھی اکبر کی طرح مغربی تہذیب کے شدید نکتہ چیں تھے اور اس کی اندھی تقلید کو قوم کے لیے زہر قاتل سمجھتے تھے اپنی نظم "تہذیب حاضر "میں مغربی تہذیب کی برائیوں کو اسطرح بے نقاب کرتے ہیں۔

"حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت ، خود فراموشی ، ناشکیبائی ہوسنا کی"

ایک اور جگہ تہذیب کی مذمت کرتے ہوئے ان الفاظ میں کہا ہے:

"اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے"

اقبال کے خیال میں یہ تہذیب کمزور ستونوں پر قائم ہے اور ایک روز اپنی موت آپ مر جائے گی۔

"تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیاں بنے گا نا پائیدار ہوگا"

اقبال مذہب کو اتحاد ملی کی اساس قرار دیتے ہیں

"اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوم و مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری"

اقبال معمولی سی کامیابی پر قانع ہو کر بیٹھے رہنے والوں سے سخت نالاں ہیں۔

"تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے"

آنحضرتؐ کی ایک حدیث ہے:

"مومنوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ باہم محبت ہمدردی اور مہربائی میں ایک جسم
واحد کی طرح ہیں اگر ایک عضو میں تکلیف ہو تو پورا جسم بے خوابی اور بخار
سے تکلیف اٹھاتا ہے۔"

ایک اور جگہ مسلمانوں کی مرکزیت اور اتحاد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر انہیں ایک جگہ جمع ہونے کا مشورہ دیا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیئے
نیل کے ساحل سے لے کر تانجاک کا شعر

ان کے کلام کے تیسرے دور کی ابتداء یورپ کے اثرات و نتائج سے ہوتی ہے جہاں انہوں نے پہلی دفعہ یورپی اقوام کی سیاسی بارزیگری دیکھی وہاں کی تمدنی زندگی کی گہرائی اور کھوکھلے پن کا مشاہدہ کیا۔

ایک دوسرے پر قابوں پانے کے لیے مختلف قوموں کی آویزش دیکھی وطنیت اور نسل پرستی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے آشنا ہوئے جس سے ان کے خیالات میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ مسلمانوں کو یورپ کے اس بھیانک طوفان میں ڈوبنے سے بچائیں گے پھر ان کی زبان سے بے اختیار "شکوہ" اللہ سے نکل پڑا پھر "جواب شکوہ" "شمع و شاعر" "خضر راہ" اور "طلوع اسلام" اس شکستہ دل کی آوازیں ہیں وہ مسلمانوں کی ذہن و نظر کی تنگی اور کمزوریوں کا اصل سبب خودی کی موت کو تصور کرتے ہیں عشق اور خودی نے ایک نئے انداز اسے ان کی شاعری میں جگہ لی اقبال کا تصور عشق قوت متحرکہ ہے کہ مرد، مومن کو اس کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل میں مدد دیتی ہے اور خودی ان کی تعلیمات کی زوج ہے غرضیکہ ہر دور کی خصوصیات سے ہٹ کر اقبال کے اُردو کلام پر مجموعی نظر ڈالی جائے تو اس سے اقبال کے عظیم افکار و خیالات کے تنوع اور خراوانی کا انداز ہوتا ہے۔

"میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کے میں ہوں مجرم رازدروں مے خانہ"